بڑوں کی مائیں

مائل خیرآبادی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت سلیمانؑ کی والدہ ماجدہ

بیٹے کو نصیحت

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ
کی والدہ نے ان کو نصیحت کی کہ بیٹا رات بھر نہ سوتے رہا
کرو۔ رات کا زیادہ حصّہ نیند میں گذار دینا قیامت کے
دن انسان کو اچھے کاموں سے محتاج بنا دیتا ہے (حدیث)

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے ماں کی نصیحت گرہ میں باندھ لی
پھر کبھی آپ پوری رات نہیں سوئے آپ رات کا ایک حصّہ اللہ کی
عبادت میں گذارتے تھے۔

بڑے ہوئے تو اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السّلام کو اپنا نبی بنایا اور
بادشاہت بھی دی۔ اللہ نے جنوں اور ہوا کو بھی آپ کا تابعدار بنا دیا تھا

آپ جانوروں کی بولیاں بھی سمجھ لیتے تھے۔ یہ سب اللہ کا فضل تھا۔ وہ جسے جو چاہے، دے

حضرت زبیرؓ کی والدہ ماجدہ

ماں کی سختی

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھی تھے اور ان دس صحابہ میں سے تھے جن کو حضورؐ نے ایک ساتھ جنّتی گنایا۔ ایسے بڑے صحابی کی والدہ صاحبہ نے ان کو کیسے پالا؟ یہ بڑی مزے دار اور دلچسپ بات ہے۔ پڑھیے اور سبق حاصل کیجیے کہ اگر ہماری امی جان یا کوئی دوسرا بزرگ ہماری اصلاح کرنے میں کچھ سختی کرے تو برا نہ ماننا چاہیے

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ چھوٹے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کو پالا۔ وہ ان سے بڑے کٹھن کٹھن کام لیتیں۔ لوگ ایک بچے کو مشکل کام کرتے دیکھتے تو حضرت صفیہؓ سے کہتے "ارے کیا بچے کو مار ڈالو گی"، وہ جواب دیتیں "یہ بیں

اسے عقلمند اور نڈر اور بہادر بنا رہی ہوں"

ہوا بھی ایسا ہی۔ حضرت زبیرؓ بڑے ہوئے تو بڑے بہادر نکلے۔ ابھی سولہ سترہ برس ہی کے تھے کہ ایک اکھاڑے میں بہت بڑے پہلوان سے کشتی ہو گئی۔ لوگوں نے منع کیا کہ اس پہلوان سے نہ لڑیں۔ لیکن زبیرؓ ذرا نہ ڈرے۔ اکھاڑے میں اترے اور ایسا ہاتھ مارا کہ پہلوان دھڑام سے گرا اور اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ لوگ پہلوان کو لاد کر حضرت صفیہؓ کے پاس لائے۔ حال کہا تو بولیں "سچ کہو، تم نے میرے بچے کو کیسا پایا؟ بہادر یا ڈرپوک؟"

ایک بار کافروں سے اور مسلمانوں سے لڑائی ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس لڑائی میں شریک تھے۔ اتنے میں ایک پہلوان ایک ٹیلے پر چڑھا اور پکارا "کون مسلمان مجھ سے لڑ سکتا ہے"؟ حضرت زبیرؓ کو جوش آگیا۔ جا کر اس سے لپٹ گئے۔ کشتی ہونے لگی۔ دونوں گر پڑے اور لڑھکتے ہوئے نیچے چلے۔ حضرت صفیہؓ بھی لڑائی میں شریک تھیں۔ پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑی دیکھ رہی تھیں گھبرا کر بولیں "یا رسول اللہ! میرا بچہ!"

آپ نے فرمایا "گھبراؤ نہیں۔ زبیر اس پہلوان کو مارے گا"

بھلا پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات کبھی

غلط ہوئی ہے۔ ایسا ہی ہوا۔حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ان دونوں میں جو زمین پر گرے گا وہ مارا جائے گا۔ وہ پہلوان نیچے گرا اور حضرت زبیرؓ اوپر۔ پھر حضرت زبیرؓ نے اس پہلوان کو قتل کر دیا۔مسلمان بہت خوش ہوئے

بہی حضرت صفیہؓ عورت ہوتے ہوئے بڑے بڑے پہلوانوں کا مقابلہ کر بیٹھتی تھیں۔ اور ان کو بھاگنے پر مجبور کر دیتی تھیں۔ ایک لڑائی میں (خندق کی جنگ میں) ایک پہلوان کو مارا اور اس کا سر کاٹ کر دشمنوں کی طرف پھینک دیا۔

حضرت صفیہؓ پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی تھیں۔ رضی اللہ عنہا۔ (اللہ ان سے راضی ہو)۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی والدہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے سب

سے بڑے بہادر تھے۔ پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سات برس کی عمر میں ان سے بیعت لی تھی۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تھا۔ جو حضرت ابوبکر کی بیٹی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ نہایت سمجھ دار اور بہادر۔ ایسی سمجھ دار کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان سے مشورہ کرتے۔ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم مکے سے مدینہ ہجرت فرما رہے تھے۔ اس وقت حضورؐ کے لیے راستے کا انتظام انہی نے کیا تھا۔ اور جب حضورؐ غار ثور میں جا کر چھپے تھے تو تین دن تک آپ کے لیے کھانا پہنچایا اور مکے والے جان نہ سکے۔

اس بزرگ خاتون نے اپنے بیٹے کو کس طرح پالا؟ اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہم نیچے کچھ تھوڑا سا حال لکھتے ہیں۔ ویسے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا پورا حال لکھا جائے تو ایک بڑی کتاب کی ضرورت ہوگی

جب حضورؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت اسماءؓ بھی وہیں بلا لی گئیں۔

جب مسلمان مدینہ میں پہنچے تو وہاں کی آب وہوا انھیں

راس نہ آئی۔ کئی برس ہو گئے۔ مسلمانوں کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ کافروں نے مشہور کر دیا تھا کہ مسلمانوں کے یہاں اولاد ہو گی ہی نہیں۔ کیونکہ ہمارے دیوتا ان سے خفا ہیں۔ اور ہم نے ان پر جادو کرا دیا ہے۔ مسلمانوں کو ایسی باتوں پر یقین تو نہ تھا لیکن وہ دل ہی دل میں دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ان کافروں کے جھوٹ کو ختم فرما دے۔

حضرت اسماءؓ پہنچیں تو آپ کے یہاں بچہ پیدا ہوا۔ بچّے کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ مسلمانوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے وقت بڑی خوشی منائی۔ حضرت اسماءؓ بچّے کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچیں۔ آپ بھی بچے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آپ نے حضرت عبداللہ کو گود میں لیا۔ گھٹی پلائی اور دعا دی۔

حضرت اسماءؓ حضرت عبداللہ کو ان کے بچپن ہی میں نڈر بنا رہی تھیں۔ جب یہ چار پانچ برس کے ہوئے تو خندق کی لڑائی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہوئی۔ یہ بڑی گھمسان کی لڑائی تھی۔ حضرت اسماءؓ چار پانچ برس کے بچّے کو لڑائی کا تماشا دیکھنے بھیج دیتیں۔ دور ایک ٹیلے پر بٹھا دیتیں اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تیروں اور تلواروں

کی لڑائی بچپن ہی میں دیکھتے اور مزہ لیتے۔
بڑے ہو کر بھی عبداللہ بن زبیر ایسے بہادر ہوئے کہ اس وقت ان کے مقابلے کا دوسرا بہادر نہ تھا۔ پھر حضرت اسماءؓ ان کو جوش دلایا کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو ایک بہت بڑی لڑائی ایک زبردست خلیفہ عبدالملک بن مروان سے لڑنی پڑی تھی۔ اس لڑائی میں حضرت عبداللہؓ کی فوج بہت تھوڑی تھی۔ پھر بھی وہ ایک بڑے لشکر سے ٹکرا گئے۔ اس لڑائی کے موقعہ پر اپنی ماں سے مشورہ لیا تو حضرت اسماءؓ نے یہ کہہ کر جوش دلایا۔
"بیٹا! تم اپنی بات اچھی طرح سمجھتے ہو اگر تم اللہ کے واسطے لڑ رہے ہو اور سچائی کے طرف دار ہو تو تم کو ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ جاؤ مَردوں کی طرح لڑو۔ جان کا خوف نہ کرو۔ عزت کے ساتھ تلوار کے زخم کھانا بدنامی کے سکھ سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ اگر تم شہید ہو گئے تو مجھے خوشی ہو گی اور اگر تم دنیا کے مال و دولت چاہتے ہو اور اس کے لیے لڑ رہے ہو تو تم سے برا کون ہوگا، تم کب تک زندہ رہو گے۔ ایک دن مرنا ہے اس لیے اچھا یہ ہے کہ نیکی کے طرفدار

ہو کر جان دو۔"

حضرت اسماءؓ بہت دنوں زندہ رہیں۔ وہ بہت بوڑھی ہو گئی تھیں۔ لیکن دم خم وہی تھے۔ اس وقت ایک ظالم حکمراں حجّاج ہوا ہے۔ حضرت اسماءؓ اس سے بھی نہ ڈرتی تھیں۔ اور ایسا اس کو ڈانٹ دیتی تھیں کہ لوگ تعجّب کرتے تھے۔ ایک بار اس سے خفا ہو گئیں تو اس کے منہ پر کہا۔

"میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قبیلہ ثقیف سے دو آدمی پیدا ہوں گے جن میں سے پہلا دوسرے سے بد تر ہو گا۔ تو ایک جھوٹا مختار ثقفی، تو میں دیکھ چکی ہوں۔ اور دوسرا ظالم تو ہے جس کو میں دیکھ رہی ہوں۔"

حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا

حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ، پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم

کے مشہور صحابی ہیں۔ حضرت انس رضؓ اپنے بچپن ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے تھے۔ نہایت فرماں بردار تھے۔ ہر وقت حضورؐ کا کام کرنے اور حضورؐ کی باتیں سننے کے لیے تیار رہتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی انس رضؓ سے وہ مزے دار مذاق کیا تھا جو "دو کان والے" کے نام سے مشہور ہے۔ حضورؐ نے ایک بار انھیں "او دو کان والے" کہہ کر پکارا تھا۔ جس کے معنی "فرماں بردار" ہیں اور اس میں مزے کی بات یہ ہے کہ انسان کے دو کان تو ہوتے ہی ہیں۔

انھی انس رضؓ کی والدہ کا نام امّ سلیم تھا۔ حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا مشہور صحابیہ ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے کام کیے اور اسلام کی بڑی خدمت کی۔ حضرت انس رضؓ فرمایا کرتے تھے کہ میری ماں کا مجھ پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے دے دیا تھا اور اس طرح مجھے ایک اچھا انسان بننے کا موقعہ ملا۔ حضرت انس رضؓ کی پرورش کے سلسلے میں حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا کے کچھ حالات نیچے لکھے جاتے ہیں

حضرت امّ سلیمؓ مدینے کی رہنے والی تھیں۔ ان کے شوہر کا نام مالک تھا۔ حضرت امّ سلیمؓ مسلمان ہو چکی تھیں۔ لیکن ان کے شوہر مالک نے اسلام قبول نہیں کیا۔ یہی مالک حضرت انسؓ کے باپ تھے

حضرت انسؓ ابھی بچہ ہی تھے کہ حضرت امّ سلیمؓ نے انھیں کلمہ سکھانا شروع کر دیا تھا۔ ان کے شوہر مالک نے بچے کو کلمہ سکھاتے دیکھا تو خفا ہو کر بولے "ایک تو تم نے خود باپ دادا کا دین چھوڑ دیا۔ اب چاہتی ہو کہ یہ بچّہ بھی بے دین ہو جائے۔" حضرت امّ سلیمؓ نے جواب دیا "یہ تو بھولا بھالا اور نادان بچہ ہے۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔"

مالک مسلمان نہ ہوئے۔ اسی حالت میں ایک بار سفر کو گئے اور وہیں کسی نے انھیں قتل کر دیا۔ اور امّ سلیمؓ بیوہ ہو گئیں۔ چونکہ بہت سمجھ دار اور تندرست اور بہادر خاتون تھیں اس لیے بہت سے لوگوں نے شادی کا پیغام دیا لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میرا بچّہ ابھی بہت کم عمر ہے۔

پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے ہجرت کر کے

مدینہ تشریف لے گئے تو اس وقت حضرت انسؓ کی عمر دس سال کی ہو چکی تھی۔ امّ سلیمؓ حضرت انسؓ کو ایک بہترین انسان بنانا چاہتی تھیں۔ انھوں نے سوچا کہ ایک اچھا انسان بننے کے لیے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے بڑھ کر اور کیا موقعہ ہو سکتا ہے، چنانچہ وہ حضرت انسؓ کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا "یا رسول اللہ میں نے اس بچے کو بڑی محنت سے پالا ہے۔ اب میں یہ چاہتی ہوں کہ آپؐ اسے اپنے پاس رکھ لیں"۔ نبی کریمؐ نے ان کی بات مان لی۔ حضرت انسؓ حضورؐ کی خدمت میں رہنے لگے۔ دین کی باتیں سیکھنے لگے۔ حضورؐ جو کام جس طرح کرتے وہ بھی انسؓ دیکھتے اور یاد رکھتے۔ اور خود بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے۔

اور پھر

حضرت انسؓ پر اللہ کا ایسا فضل ہوا کہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بڑے صحابیوں میں شمار کیے جانے لگے۔ انھوں نے بہت سی حدیثیں بیان کی ہیں، جن کو مسلمان پڑھتے ہیں اور اسلام کا علم سیکھتے ہیں۔

حضرت انسؓ خود اقرار کرتے ہیں کہ اگر میری ماں

ام سلیم میرے لیے یہ انتظام نہ کرتیں تو میں بڑے گھاٹے
میں رہتا۔

امام ربیعہؒ کی ماں

امام ربیعہ رحمتہ اللہ علیہ ایک بہت بڑے امام گذرے ہیں
وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ وہ مسجد نبوی
میں درس دیا کرتے تھے۔ ان کے درس میں بڑے
بڑے عالم شریک ہوا کرتے تھے۔ اور چھوٹے بڑے
سب ان کی عزت کرتے تھے۔ یہ اتنے بڑے امام کس
طرح ہوگئے؟ دراصل بات یہ تھی کہ اللہ کے فضل سے ان
کو ایسی ماں ملی تھیں جنھیں یہ شوق تھا کہ بیٹا دین کا علم
جاننے والا اور پھیلانے والا بنے۔ انھوں نے بیٹے کی تعلیم پر تیس
ہزار اشرفیاں خرچ کیں۔ دوسری بات یہ کہ اللہ نے ان

کو سمجھ بڑی اچھی دی تھی۔ ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ امام ربیعہؒ نے بڑی محنت سے تعلیم حاصل کی۔ ان کے بچپن کا قصہ بڑا مزے دار ہے۔ سنیے :-

حضرت امام ربیعہؒ کے الد کا نام فروخ تھا۔ بنی امیہ کے بادشاہی کے زمانے میں وہ فوج میں نوکر تھے۔ ایک بار فروخ ایک بڑی لڑائی کے لیے بھیجے گئے۔ اس وقت امام ربیعہؒ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے۔ فروخ کو ان لڑائیوں میں ستائیس برس گذر گئے۔ اس عرصے میں وہ گھر نہ آسکے۔ ان کے پیچھے امام ربیعہؒ پیدا ہوئے اور ان کے پیچھے ہی بہت بڑے عالم ہو گئے۔

فروخ جب اس لڑائی پر جانے لگے تھے تو بی بی کو تیس ہزار اشرفیاں دے گئے تھے اس نیک اور سمجھ دار بیوی نے سب اشرفیاں بیٹے کے پڑھانے لکھانے اور دین سکھانے پر خرچ کر دیں ستائیس برس کے بعد جب امام ربیعہؒ کے والد فروخ آئے تو بی بی سے اشرفیوں کے بارے میں پوچھا انھوں نے کہا "سب حفاظت سے رکھی ہیں" اس عرصے میں امام ربیعہؒ مسجد میں جا کر حدیث کا درس دینے لگے۔ بی بی نے فروخ سے کہا "ذرا مسجد تو ہو آؤ" فروخ مسجد نبوی میں پہنچے تو دیکھا کہ بیٹا حدیث کا درس

دے رہا ہے اور بڑے بڑے علماء درس میں شریک ہیں۔ وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ گھر لوٹ کر تو بی بی سے بیٹے کی خوشی تعریف کی اور بار بار اللہ کا شکر ادا کیا

اب بی بی نے پوچھا "بتاؤ تیس ہزار اشرفیاں زیادہ اچھی ہیں یا یہ نعمت" وہ بولے "اشرفیوں کی کیا حقیقت ہے" اب بی بی نے کہا "میں نے وہ اشرفیاں اس نعمت کے حاصل کرنے میں خرچ کر دیں" وہ خوش ہو کر بولے "خدا کی قسم! تم نے اشرفیاں ضائع نہیں کیں بلکہ سب سے اچھے کام میں لگا دیں"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی والدہ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ بہت بڑے ولی گذرے ہیں۔ ان کو لوگ "بڑے پیر صاحب" بھی کہتے ہیں۔ حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے اللہ کی خوشی کے بڑے بڑے کام کیے۔ آپ کے زمانے میں جو برائیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ آپ نے ان کو مٹایا۔

اس وقت کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جو اسلام کے بارے میں طرح طرح کی غلط باتیں پھیلا رہے تھے اور پیارے رسول کے ساتھیوں کے بارے میں نہ جانے کیسی غلط سلط باتیں پھیلا رہے تھے۔ حضرت شیخ رح نے ان سب سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ سب کے منہ بند کیے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم بھی تھے اور ولی بھی۔ آپ کی تقریر بڑی زوردار ہوتی تھی۔ آپ اتنے بڑے عالم کیسے ہو گئے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے آپ کو بڑی اچھی ماں ملی تھیں۔ وہ آپ کو شروع ہی سے اچھی نصیحتیں کیا کرتی تھیں۔ اللہ سے ڈرایا کرتی تھیں، قرآن اور حدیث پڑھنے کا شوق دلایا کرتی تھیں، وہ خود قرآن کی حافظ تھیں۔ کام کرتی جاتیں اور قرآن پڑھتی جاتیں۔ اس طرح ہر روز قرآن کا ختم ہو جایا کرتا۔ بچپن ہی میں قرآن سنتے سنتے حضرت شیخ رح کو بہت سا حصہ زبانی یاد ہو گیا تھا۔

حضرت شیخ رح جب چھوٹے تھے تو آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو پالا پوسا۔ جب آپ کے والد کا انتقال ہوا تو انھوں نے اسّی دینار چھوڑے۔ آپ دو بھائی

تھے۔ آپ کی والدہ نے دیناروں کے دو برابر حصے کیے اور دونوں بھائیوں کا حصہ الگ الگ رکھ دیا۔ حضرت شیخ رح کو قصبہ جیلان ہی میں (جو آپ کا وطن تھا) پڑھنے کے لیے بٹھا دیا۔ جب آپ جیلان کے مکتب میں پڑھ چکے تو آگے پڑھنے کے لیے ماں سے کہا۔

اس وقت بغداد میں بڑے بڑے عالم موجود تھے۔ حضرت شیخ رح نے بغداد جانے کے لیے ماں سے کہا۔ اس وقت سفر کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ آج کی طرح ریل اور موٹر اور دوسری سواریاں نہیں تھیں۔ راستے میں جنگل پڑتے تھے۔ جنگلوں میں ڈاکو رہا کرتے تھے۔ جو مسافروں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ یہ سارے کھٹکے تھے، لیکن حضرت شیخ رح کی والدہ صاحبہ نے دل پر پتھر رکھ لیا اور پیارے بیٹے کو اتنی دور بغداد میں پڑھنے کے لیے بھیج دیا۔ جس وقت بیٹے کو رخصت کیا تو ان کے حصے کے چالیس دینار ان کے لباس میں سی دیئے۔ اور نصیحت کی کہ جھوٹ نہ بولنا۔

حضرت شیخ ایک قافلے کے ساتھ چلے۔ راستہ میں ڈاکوؤں نے سب کو لوٹا۔ ایک ڈاکو نے ان سے بھی پوچھا کہ تیرے پاس بھی کچھ ہے۔ آپ نے بتا دیا۔ ہاں ہے۔ ڈاکو سمجھا کہ مذاق کر رہا ہے۔ وہ دوسری طرف چلا گیا۔ لیکن دوسرے ڈاکوؤں نے بھی پوچھا آپ نے بتا دیا

تو بات ڈاکوؤں کے سردار تک پہنچی۔ اس نے آپ کو پکڑوا کر اپنے سامنے بلایا اور خود پوچھا۔

"تمہارے پاس کتنی رقم ہے"؟

"میرے پاس چالیس دینار ہیں" آپ نے جواب دیا۔

"کہاں ہیں"؟

"یہ دیکھئے میرے لباس میں سیے ہوئے ہیں"

"ارے، یہ تم نے کیوں بتا دیئے۔ اگر تم ہم کو نہ بتاتے ہم کو پتہ بھی نہ چلتا"

"میری ماں نے مجھ کو نصیحت کی ہے کہ میں کبھی جھوٹ نہ بولوں تو میں نے اپنی ماں سے جو اقرار کیا ہے اسے کیوں بھول جانا"

ایک بچے کی زبان سے یہ سنا تو ڈاکوؤں کا سردار دنگ رہ گیا۔ اس نے سر نیچا کر لیا۔ دیر تک کچھ سوچتا رہا، پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے رو رو کر کہا "ہمارے اوپر افسوس ہے ہم نے اپنے اللہ سے ایک اقرار کیا کہ اسی کے حکموں پر چلیں گے نیک کام کریں گے۔ اور برے کاموں سے دور رہیں گے۔ افسوس! ہم بوڑھے ہو گئے، پھر بھی اللہ سے جو اقرار کیا تھا اسے بھولے رہے

اور یہ بچہ! جس نے اپنی ماں سے ایک اقرار کیا۔ ایسے وقت میں بھی اس اقرار کو یاد رکھا جب کہ ڈاکہ پڑ رہا ہے۔ میں اس بچے سے بھی گیا گزرا ہوا"

یہ کہہ کر حکم دیا کہ قافلے کا لوٹا ہوا مال واپس کر دیا جائے۔ پھر اس نے توبہ کی۔ اس کے ساتھ کے ڈاکوؤں نے بھی توبہ کی۔ اور اس طرح ماں کی نصیحت کی بدولت سیکڑوں آدمیوں کا مال بھی بچا اور ڈاکوؤں کو توبہ کی توفیق ملی

اللہ ان سب سے راضی ہو۔

سیّد احمد شہیدؒ کی امّی جان

حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ ہمارے ملک کے ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ آپ رائے بریلی کے رہنے والے تھے۔ آپ کی امّی جان نے آپ کی بہت اچھی تربیت کی تھی چنانچہ آپ بچپن ہی سے بہت نیک، بہادر اور نڈر تھے۔ اسلام سے آپ کو بے حد محبت تھی۔ دین کی باتیں اونچی کرنے کے لیے

آپ جی جان سے نیار رہتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ آپ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ اللہ کی راہ میں سر دھڑ کی بازی لگا دینے کا موقع آ گیا۔ آپ جانے کے لیے بے چین ہو گئے۔ مگر امی جان سے پوچھنا ضروری تھا۔ آپ اجازت لینے امیؒ جان کے پاس گئے۔ امیؒ جان نماز پڑھ رہی تھیں۔ ملازمہ کو معلوم ہوا تو یہ سوچ کر کہ کہیں بیٹے کی جان خطرے میں نہ پڑ جائے اس نے آپ کو روک دیا۔ امیؒ جان نماز سے فارغ ہوئیں تو پتہ چلا کہ ملازمہ نے اجازت نہیں دی۔ امی جان کو بہت برا لگا۔ ملازمہ سے کہا۔

"بڑی بی! میرا بیٹا تمہیں اتنا پیارا نہیں ہو سکتا جتنا مجھے پیارا ہے"

پھر بیٹے سے کہا "بیٹا جاؤ مگر دیکھو، بزدلی مت دکھانا، خوب بہادری سے لڑنا۔ اور اگر منہ پھیر کر بھاگو گے تو میں تمہاری صورت نہ دیکھوں گی"

یہ امیؒ جان ہی کی تربیت کا اثر تھا کہ بعد میں آپ نے بڑے بڑے معرکے سر کیے۔ اللہ کا حکم بلند کرنے کی ان تھک کوشش کی اور پیٹھ دکھانے کا تو سوال ہی نہیں۔ آخر میں اللہ

کی راہ میں شہید ہو گئے۔

دیکھا تم نے! امّی جان کی کوششوں کا نتیجہ۔ ان کی آخرت بھی سنور گئی۔ اور آج ہم تم ان کے کارنامے یاد کرتے اور بہت عزت کے ساتھ ان کا نام لیتے ہیں۔

سر سیّدؒ کی والدہ محترمہ

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا نام تو تم نے سنا ہو گا۔ ہو سکتا ہے تمہارے یہاں کوئی صاحب پڑھ چکے ہوں۔ یہ ہماری بہت بڑی درسگاہ ہے۔ اس کے قائم کرنے والے اور کرتا دھرتا ہمارے ایک سر سیّد مرحوم تھے۔ آپ دہلی کے رہنے والے تھے۔ آپ کی امّی جان بہت ہی نیک اور شریف بی بی تھیں۔ اپنے بیٹے کی بڑے اچھے ڈھنگ سے تربیت کی تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ سر سیّدؒ ابھی بچے ہی تھے کہ کسی بات پر خفا ہو کر ملازم کو پیٹ دیا۔ امّی جان کو معلوم ہوا تو وہ بہت بگڑیں۔ سر سیدؒ کو گھر سے نکال دیا۔ مارے ڈر کے وہ خالہ

جان کے یہاں جا چھپے۔ گھر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ تین دن بعد قصور معاف کرانے کے لیے خالہ جان کی سفارش لے کر آئے امی جان نے کہا "جب تک ہاتھ جوڑ کر یہ نوکر سے معافی نہ مانگ لے گا، میں ہرگز معاف نہ کروں گی، اور نہ گھر میں رہنے دوں گی" آخر سرسیدؒ نے نوکر سے معافی مانگی جب جا کر امّی جان نے معاف کیا۔

ان کی امّی جان ملازموں کا خیال رکھتی تھیں۔ ایک بار وہ بیمار پڑیں اتفاق سے جو مرض انھیں تھا۔ وہی ان کی ملازمہ کو ہوگیا۔ امّی جان نے اپنے لیے دوا منگوائی تھی۔ دوا بہت قیمتی تھی۔ انھوں نے سوچا کہ ملازمہ بے چاری غریب ہے، اتنا قیمتی علاج کیسے کرا سکے گی چنانچہ خود کھانے کے بجائے ساری دوا ملازمہ کو کھلا دی۔ اللہ کا کرنا ملازمہ بھی اچھی ہوگئی اور بغیر دوا کیے وہ بھی تندرست ہوگئیں

امّی جان کی انھیں باتوں کا نتیجہ تھا کہ سرسیدؒ نے زندگی بھر کسی ملازم پر سختی نہیں کی، بلکہ ان کے دکھ درد میں برابر کے شریک رہتے تھے۔ ان کے ساتھ کام کرنے والے سیکڑوں ملازم رہے۔ مگر کبھی کسی کو ان سے کوئی شکایت نہ ہوئی۔ ہمیشہ ان کے برتاؤ کی سب تعریف ہی کرتے رہے۔

"بی اماں"

مولانا شوکت علیؒ محمد علیؒ کی امی جان

ہمارے ملک میں ایک ایسی خاتون تھیں۔ جن کو چھوٹے بڑے مسلم اور غیر مسلم سب "بی اماں" کہتے تھے۔ بی اماں کو زیادہ زمانہ نہیں گذرا ہے۔ اگر آپ کسی بڑے بوڑھے سے پوچھیں کہ کیا "بی اماں" کو جانتے ہیں تو وہ فوراً کہے گا۔ "جی ہاں! ہم مولانا شوکت علیؒ محمد علیؒ کی والدہ صاحبہ کو "بی اماں" کہتے تھے۔ بی اماں میں کچھ باتیں ایسی تھیں کہ وہ باتیں دوسری عورتوں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ عورتیں تو عورتیں، ان باتوں میں مرد بھی بی اماں کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ ہم انہی بی اماں کے بارے میں نیچے کچھ لکھ رہے ہیں۔

بی اماں رام پور یو پی کی رہنے والی تھیں۔ ۱۸۵۲ء میں

جب ہندوستان والوں نے انگریزوں سے اپنا ملک چھیننے کی کوشش کی تھی، اس وقت بی اماں پانچ برس کی تھیں۔ بی اماں زیادہ پڑھی لکھی تو نہ تھیں مگر عادت کی بڑی اچھی تھیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول سے ان کو بڑی محبت تھی۔ وہ اسلام پر جان نچھاور کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ جس بات کو دین کے خلاف پاتیں، اسے ہرگز نہ کرتیں۔ بزرگوں اور بڑوں کی بہت عزت کرتیں۔ بڑے سادہ طریقے سے زندگی بسر کرتیں۔ اور سب کو اسی طرح رہنے سہنے کے لیے نصیحت کیا کرتیں تھیں۔

بی اماں کے چار بیٹے تھے۔ نوازش علی، ذوالفقار علی، شوکت علی، محمد علی۔ نوازش علی کا انتقال شروع ہی میں ہو گیا۔ باقی تین بڑے ہوئے۔ بچوں کے والد صاحب بچپن ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ بی اماں ہی نے بیٹوں کو تعلیم دلائی اور بہت اچھی تعلیم دلائی۔ بیٹوں میں سے دو نے بڑا نام پایا۔ چھوٹے بیٹے محمد علیؒ تو ایسے قابل ہوئے کہ وہ بڑے بڑے نوابوں اور حاکموں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ساری دنیا کے لوگ مولانا محمد علیؒ کی قابلیت کا لوہا مانتے تھے

اس سلسلے میں ایک دلچسپ اور نصیحت آمیز بات سنیئے۔

ایک صاحب نے مولانا محمد علیؒ کی تعریف بی اماں کے سامنے کی اور کہا کہ "وہ یعنی مولانا محمد علیؒ آپ کی محنت اور آپ کی دیکھ بھال کی بدولت اس قابل ہوئے" یہ سن کر بی اماں نے کہا "تم غلط کہتے ہو یہ سب اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے"

مولانا محمد علیؒ کے بڑے بھائی نوازش علی کا انتقال ہوا تو لوگ بی اماں کو پرسا دینے آئے تو آپ خود لوگوں کو نصیحت کرنے لگیں کہ اللہ کی مرضی پر سب کو راضی رہنا چاہیے۔ اللہ کو سب اختیار ہے۔ اس نے ہمیں جو کچھ دیا ہے جب چاہے لے لے موت اور زندگی سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔

بی اماں حج کرنے گئیں تو وہاں کعبے کا غلاف تھام کر یہ دعا کی "اے میرے رب! تو نے اپنے فضل سے بچوں کو بڑا کیا۔ اب اتنی دعا ہے کہ ان کو سچا مسلمان بنا دے"

اللہ کے فضل سے مولانا شوکت علیؒ اور مولانا محمد علیؒ ایسے سچے مسلمان بنے کہ وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اس وقت ہمارے ملک میں انگریزوں کا راج تھا۔ دونوں بھائی

انگریزوں سے عمر بھر لڑتے رہے۔ انگریز انھیں پکڑ کر قید کر دیتے تو بی اماں کو جوش آجاتا۔ وہ جیل خانے جا کر بیٹوں سے کہتیں "بیٹو! اسلام پر مضبوطی سے جمے رہنا۔ اگر اس راہ میں موت بھی آجائے تو پروانہ کرنا۔"

بی اماں اور مولانا شوکت علیؒ محمد علیؒ کے بارے میں اس وقت دو گیت کسی شاعر نے لکھے۔ دونوں گیت بچے بچے کی زبان پر تھے۔ ایک تو یہ تھا ؎

بولیں اماں محمد علی کی   جان بیٹا خلافت پہ دیدو

دوسرا گیت یہ تھا ؎

کہہ رہے ہیں کراچی کے قیدی   ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

بی اماں کے زمانے میں لوگوں نے انگریزوں کی طرح رہنا سہنا شروع کر دیا تھا۔ ایسے لوگوں سے بی اماں کہتیں "ان فرنگیوں کا طریقہ چھوڑو اور اپنے بزرگوں کے طریقہ پر رہو۔ ان فرنگیوں کی نوکری مت کرو۔ ان سے انعام نہ لو۔ یہ لوگ بڑے مکار اور دھوکے باز ہیں۔"

یہ تھیں بی اماں۔ ہمارے ملک کے دو بڑے لیڈروں مولانا شوکت علیؒ اور مولانا محمد علیؒ جوہر کی ماں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

مولانا الیاسؒ کی امّی جان

ماں کی اچھی تربیت اور نیک تمناؤں کا ہم پر کتنا اثر پڑتا ہے اسے دیکھنے کے لیے مولانا الیاسؒ کی زندگی دیکھو۔ ان کا نام تو تم نے ضرور ہی سنا ہوگا۔ آپ ہمارے ایک اللہ والے بزرگ گذرے ہیں۔ ان کے انتقال کو ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے۔ ہم نے خود انھیں دیکھا ہے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی دعائیں لی ہیں۔

آپ کو دین پھیلانے کی بڑی دھن تھی۔ ہمیشہ اسی کوشش میں رہتے تھے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کے دین سے واقف اور سچا پکا مسلمان بنا دیں۔ دین کے لیے تڑپ اور لگن دیکھ کر صحابۂ کرام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

مولانا الیاسؒ نے بھی ایسی ماں کی گود میں پرورش پائی تھی۔ جو بڑی نیک اور اللہ والی بی بی تھیں۔ آپ کی امّی جان کو دین کا بہت اچھا علم تھا۔ قرآن مجید کی تو وہ حافظ تھیں۔ اور

ایسا اچھا یاد تھا کہ رمضان شریف میں پورا قرآن مجید ختم کر کے دس پارے اور پڑھ لیا کرتی تھیں۔ نماز آپ بہت دل لگا کر پڑھا کرتی تھیں۔ پابندی سے تلاوت کرتیں۔ اور بہت مزے لے کر تلاوت کرتیں۔ کیونکہ عربی خوب جانتی تھیں۔ قرآن مجید کا مطلب اچھی طرح سمجھ لیتی تھیں۔ وہ نفل نماز، روزوں اور تسبیح وظیفے کا بھی برابر اہتمام کرتی تھیں۔ انھیں صحابۂ کرامؓ اور بزرگانِ دین کے حالات بھی خوب یاد تھے۔ وہ اپنے بیٹے کو انہی بزرگوں کے حالات سنایا کرتی تھیں ان کی دلی تمنّا تھی کہ ان کے بیٹے میں بھی وہی خو، بو، پیدا ہو۔

امّی جان کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا الیاسؒ میں ان بزرگوں کی بہت خوبیاں پیدا ہونے لگیں۔ پھر بڑے ہو کر انھوں نے خوب دین پھیلایا۔

تم خود سوچو جس ہستی کو پرورش کے لیے ایسی پاکیزہ گود نصیب ہو اس کے اندر صحابہ کرام کی خو، بو، کیوں نہ پیدا ہو؟

علامہ اقبالؒ کی امّی جان

علامہ اقبالؒ کی کئی نظمیں تو تم پڑھ چکے ہو گے۔ ممکن ہے، کچھ شعر زبانی بھی یاد ہوں۔ آپ ہمارے ایک بہت ہی اچھے شاعر گذرے ہیں۔ آپ کی شاعری میں بڑا اثر ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے آپ کو بے حد محبت تھی۔ وہ سب کا بھلا چاہتے تھے۔ مسلمانوں کے لیے ان کے دل میں بہت زیادہ درد تھا۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کو سربلند دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی لیے وہ ہمیشہ سوچا کرتے تھے۔ اور اچھی اچھی نظمیں لکھ کر دلوں کو گرماتے رہتے تھے۔ ان کی نظمیں پڑھنے سے اچھا بننے اور اسلام کا بول بالا کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

علامہ اقبالؒ کے اندر یہ خوبی ان کی امی جان کی اچھی تربیت ہی سے پیدا ہوئی تھی۔ ان کی امی جان بہت پاکباز عورت تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کو سب سے بڑھ چڑھ کر دیکھنا چاہتی

نھیں ۔ ایسا تو سب کی مائیں چاہتی ہیں ۔ لیکن علامہ اقبالؒ
کی امّی جان نے شروع ہی سے اس کی پوری کوشش بھی کی ۔
علامہ اقبالؒ کے ابّا میاں کی کمائی کچھ مشتبہ تھی ۔ ان
کی امّی جان اس کمائی کو پورے طور پر حلال نہیں سمجھتی
تھیں ۔ اس لیے اپنے میاں سے اس کاروبار کو چھوڑ کر کوئی
دوسرا حلال کاروبار کرنے کے لیے برابر کہتی رہتی تھیں ۔
لیکن ابھی کوئی دوسرا انتظام نہیں ہو سکا تھا کہ علامہ اقبالؒ
کی پیدائش ہوئی ۔ اب ان کو دودھ پلانے کا سوال تھا ۔
امّی جان کو یہ کسی طرح پسند نہیں تھا کہ بچے کو اپنا دودھ پلا کر
ایسی روزی سے پالیں جو ان کے نزدیک پورے طور پر
پاک نہ تھی ۔ وہ جانتی تھیں کہ ایسی روزی سے پل کر بچے
میں وہ خوبیاں کبھی پیدا نہیں ہو سکتیں جو وہ اپنے بیٹے میں
دیکھنا چاہتی تھیں ۔

اب کیا کریں ؟ آخر ایک ترکیب سمجھ میں آئی ، انھوں
نے اپنا زیور بیچ دیا ۔ جو ان کے نزدیک حلال کمائی کا تھا ۔
پھر اس روپے سے ایک بکری خریدی ۔ اور علامہ اقبالؒ کو
اسی کا دودھ پلانے لگیں ۔ آخر ابا میاں نے چند مہینوں کی

دوڑ دھوپ کے بعد دوسرا کارو بار کر لیا۔ جب جاکر اپنا دودھ پلانے لگیں۔

امّی جان کی اسی احتیاط کا اثر تھا۔ کہ ان کی گود میں پلنے والا بچّہ اتنا دردمند دل رکھنے والا ہوا اور اس کی شاعری کا دلوں پر اتنا اچھا اثر پڑتا ہے۔

اے طائرِ لاہوتی ! اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

علّامہ اقبال